خطبات متعلق کارنامۂ حسینی و مجاہدۂ کربلا

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

فلسفۂ شہادت حسین علیہ السلام

(شب عاشور ۱۳۷۷ھ دہلی ریڈیو اسٹیشن سے)

''شہادت'' کے معنی ہیں گواہی اور گواہی کا مفہوم ہے ''اثبات حقیقت'' اور اثبات کی ضرورت اسی حقیقت کے لئے ہوتی ہے جو آنکھوں سے اوجھل ہو لہٰذا جتنی کوئی حقیقت عظیم ہو اور جتنی زیادہ آنکھوں سے پنہاں ہو اتنی ہی مہتم بالشان گواہی کی اسے ضرورت ہوگی اور سب سے مہتم بالشان وہ گواہی ہے جو اپنے خون کی مہر ثبت کرکے ادا کی جائے اور سب سے زیادہ مخفی حقیقت ازلی اور ذات ربانی ہے۔ اسی لئے اس جان کی قربانی کو جو راہ خدا میں جہاد کرکے پیش کی جائے اسلام میں ''شہادت'' کہا جاتا ہے۔

حق اور باطل میں جنگ ہمیشہ سے قائم رہی ہے۔ باطل کے محرکات عموماً عالم مشاہدات کے مادی اسباب ہوتے ہیں۔ کوئی حسنِ نظر فریب، کوئی شمشیر زہرہ گداز، کوئی تاج وتخت، کوئی ثروت و دولت، کوئی جاہ وحشم یا کوئی نمرود، کوئی فرعون اور کوئی یزید۔ ان کی تحریک کی پوری طاقت احساسات پر چھا کر دل کو متاثر کرنے میں مضمر ہے اس کے برخلاف حق اپنے لئے نہ کوئی صورت دل فریب رکھتا ہے جو جنت نگاہ بن سکے۔ نہ صدائے سامعہ نواز جو فردوس گوش ہو۔ نہ یہاں کوئی گنج شائگان ہوتا ہے جو نظر کو لبھائے، نہ کوئی تیغ برّان جو دل کو دہلائے، نہ کوئی زر و گوہر، نہ کوئی لاؤلشکر، اس کی کشش تو صرف ایک غیبی طاقت کے احساس پر مبنی ہے جو نظر سے بالکل مخفی ہے مگر حق پرست افراد اس حق کے مقابلہ میں ہر قسم کے نقد فائدہ اور حاضر مفاد کو ٹھکرا کر اس حق کی طاقت کا ثبوت دیتے رہے۔

اگر ہم اصطلاحات کی الجھنوں میں نہ پڑیں اور صرف حقیقت پر نظر رکھیں تو ہر وہ تکلیف جو حق کی راہ میں کبھی اٹھائی گئی ہو ایک درجہ کی شہادت ہے جو اس حق کے لئے پیش کی گئی اور اس طرح مردان راہِ خدا کی ہر سانس جو وہ آلام ومصائب کو اُٹھائے ہوئے لیتے ہیں ایک شہادت ہے اس لحاظ سے شہادت کے بے شمار درجے ہوتے ہیں جن میں اہمیت وعظمت کبھی قربانیوں کی شدت وکثرت کے ساتھ پیدا ہوگی اور کبھی اس لحاظ سے کہ باطل کے کتنے قوی محرکات کے مقابلہ میں پیش ہوئی ہے اور کبھی اپنے دوررس نتائج کے اعتبار سے۔

مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ کا قصر فرعون کے راحت وآرام کو چھوڑ کر بادیہ پیمائی کے لئے نکل کھڑا ہونا بھی شہادت حق کے فریضہ کا ادا کرنا تھا مگر حضرت ابراہیمؑ کا حق پرستی کی خاطر آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیئے جانے پر ثابت قدم رہنا اس سے بڑی شہادت کا نمونہ ہے۔

پھر اگر اپنے سے بھی زیادہ انسان کو اولاد عزیز ہوتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ جناب اسمٰعیلؑ کو قربان گاہ میں لاتے وقت صرف اسمٰعیلؑ ہی شہادت کے لئے نہیں جارہے تھے بلکہ باپ بھی اپنے فرزند کو اس غیبی اشارہ پر مذبح میں لے جانے اور

گلے پر چھری چلانے کی وجہ سے حق کی بارگاہ میں ایک عظیم شہادت پیش کر رہا تھا۔

اب اس معیار پر حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو دیکھئے تو یقین ماننا پڑے گا کہ یہ ایک شہادت مجموعہ تھی ان تمام شہادتوں کا جو ازل سے کبھی بھی راہ خدا میں پیش کی گئی ہوں۔

اب اس کے فلسفہ کے لئے کسی مزید تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی کبھی کسی شہادت کا فلسفہ رہا ہے وہ اس شہادت کا فلسفہ بھی تھا۔

جس لئے زکریا نے آرے سے چیرا جانا منظور کیا۔ جس لئے جرجیس تیل کے کڑھاؤ میں ڈال کر اُبال ڈالے گئے۔ جس لئے یحییٰؑ کا سر قلم ہوا۔ جس لئے حضرت موسیٰؑ نے طرح طرح کے شدائد جھیلے جس لئے حضرت عیسیٰؑ نے یہود کے ہاتھوں طرح طرح کی تکالیف اُٹھائے اور آخر میں جس لئے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ نے تیرہ برس تک اپنے جسم مبارک پر پتھر کھائے۔ پھر جس لئے عبدہ بن حارث بن عبدالمطلب نے زخمی ہو کر دم توڑا۔ حمزہ بن عبدالمطلب کا جگر چاک ہوا۔ جعفر طیار کے ہاتھ قلم ہوئے۔ غرض بدر و اُحد اور دیگر غزوات میں کتنے شہداء خاک و خون میں لوٹے۔ پس اسی لئے آج فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسینؑ میدان قربانی میں گامزن ہوئے۔

شہادت کی حقیقت ایک ہی ہے مگر

"نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی"

جتنے حق پر پردے گہرے پڑ گئے ہوں اُتنا شہادت حق کی آواز کو بلند تر ہونا چاہئے اور جتنے باطل کی طرف لے جانے والے مادی اسباب زیادہ جمع ہوں اتنی ہی غیبی حق کی شہادت طاقتور ہونے کی ضرورت پڑے گی۔

اس کے پہلے جتنے انبیاؑء اور مصلحین نے قربانیاں پیش کی تھیں وہ ایسے افراد کے مقابلہ میں جو حق کے کھلے ہوئے مخالف تھے۔ جیسے موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون اور حضرت ابراہیمؑ کے مقابلہ میں نمرود جو کھلم کھلا اپنی خدائی کا اعلان کر رہا تھا یا حضرت محمد مصطفی ﷺ کے مقابلہ میں ابوجہل و ابولہب جو علانیہ توحید کے منکر اور بت پرستی کے علم بردار تھے مگر حضرت امام حسینؑ کو جس جماعت کے مقابلہ میں قربانی پیش کرنا تھی وہ ایسی جماعت تھی جو بظاہر اس راستے کی سالک تھی جس کے حضرت امام حسینؑ رہبر تھے۔ وہ علانیہ اسلام سے انحراف کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔ وہ انہی پیغمبر اسلام کا کلمہ پڑھ رہی تھی جن کے حسینؑ وارث تھے اور یزید اسی اسلام کے نام پر حکومت کر رہا تھا جس کی حفاظت امام حسینؑ کو مدنظر تھی۔ اسی لئے حضرت امام حسینؑ کی مہم بہت مشکل تر ہو گئی تھی۔

اگر کوئی غیر شعائر اسلامیہ کو کچھ بھی صدمہ پہنچاتا ہے تو مسلمان بہت جلدی بیدار ہو جاتے اور جوش میں آجاتے ہیں لیکن جب اسلام کی نقاب چہرہ پر ڈال کر شریعت اسلام کو نقصان پہنچایا جائے تو مسلمانوں کی آنکھ ذرا مشکل سے کھلتی ہے۔

امام حسینؑ کے سامنے یہی صورت حال تھی۔ یزید تخت اسلام پر خلیفۃ المسلمین بنا ہوا بیٹھا تھا۔ یقینا پیغمبرؐ خدا کے بعد مسلمانوں کے سامنے اگر فوراً یزیدی مجسمہ آجاتا تو بھی وہ بہت جلد چونک پڑتے مگر یہ منزل رسولؐ اسلام کے بعد پچاس برس میں تدریجی طور پر آئی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کے احساسات پر بے ہوشی چھا گئی تھی اور ایک غشی کا عالم طاری ہو گیا تھا۔

اگر یزید حضرت امام حسینؑ سے کچھ تعرض نہ کرتا یعنی بیعت کا مطالبہ نہ کرتا تو بحیثیت جانشین رسولؐ حضرت امام حسینؑ شریعت اسلام کی حفاظت کے لئے کس وقت میں کیا کرتے؟ وہ ہم اس وقت نہیں بتا سکتے اور اس کا سمجھنا مشکل بھی ہے مگر اب صورت حال تو یہ پیدا ہوئی کہ یزید نے آپ کی

خاموشی اور گوشہ نشینی پر اکتفا نہ کی بلکہ وہ آپ سے طالب بیعت بھی ہوا یعنی یہ چاہا کہ آپ اس کے ناجائز افعال پر مہر تصدیق ثبت کردیں اور اس کے صحیح جانشین رسولؐ ہونے کا اقرار کرلیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ موسیٰؑ فرعون کی خدائی مان لیں، ابراہیمؑ نمرود کی الوہیت کو تسلیم کرلیں اور حضرت محمد مصطفیٰؐ نہ صرف اتنا کہ بتوں کی مذمت کرنا چھوڑ دیں بلکہ خود بھی معاذ اللہ بت پرستی میں ابوجہل و ابولہب کے شریک ہوجائیں۔

اسے حق کا پرستار اور خدا کا نمائندہ کیونکر گوارا کرسکتا تھا؟

اب وقت تھا کہ آپ مادّی جاہ وحشم کے مقابلہ میں حق کی شہادت پیش کریں۔ یہ منزل اسی وقت سے شروع ہوگئی جب آپ نے ولید کے مطالبۂ بیعت کی قبولیت سے انکار کرتے ہوئے مدینہ رسولؐ سے جدائی قبول کی اور ترک وطن کردیا۔ بس اب آپ شہادت کی راہ پر تھے اور ہر قدم جو اٹھ رہا تھا وہ جادۂ شہادت کا ایک سنگ میل تھا۔

مکہ معظّمہ میں پناہ نہ ملنے پر حج کے ارادہ کو ترک کرکے عراق کے ارادہ سے نکل کھڑا ہونا، یہ اس شہادت کا دوسرا باب تھا اور کربلا پہنچ کر جب فوجوں کا ہجوم ہوگیا اور تیس ہزار کا لشکر سامنے صف آرا ہوگیا تو اصطلاحی طور پر حسینؑ کی شہادت دسویں محرم کو عصر کے وقت ہوئی مگر عالم حقیقت میں دیکھئے تو چھوٹے چھوٹے بچوں کی صورتیں آنکھوں کے سامنے، زینبؑ وکلثومؑ کے برقع و چادر کا خیال ذہن میں، اور دشمنوں کے وحشیانہ مظالم کا تصور دماغ میں، اور اس سب کے ہوتے ہوئے پھر بھی بیعت فاسق سے کنارہ کشی کا عزم بالجزم دل میں، وہ ایک مستقل و مسلسل شہادت تھی جسے حسینؑ اپنے ہر بن مو، ہر تار نفس اور ہر جنبش نظر کے ساتھ اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ میں ادا کررہے تھے۔

اور ساتویں محرم سے پانی بند ہوجانے کے بعد چھوٹے چھوٹے بچوں کے ذہن سے نکلتی ہوئی العطش کی صداؤں کو سنتے ہوئے، سکینہؑ کے خشک لب اور علی اصغرؑ کی جان بلب حالت دیکھتے ہوئے، انکار بیعت پر قیام وہ بے پناہ شہادت تھی جو حق کو حق ثابت کردینے کی ضامن بن رہی تھی۔

پھر عاشور کے دن انھوں نے اپنی اصطلاحی شہادت کے پہلے کم از کم بہتر شہادتیں اپنے ہاتھوں سے پیش کرکے گویا حق کی دستاویز پر خون کی بہتر مہریں لگادیں جن میں قاسمؑ کے بچپن، علی اکبرؑ کے شباب محمدی اور ابوالفضلؑ کی شجاعت حیدری کی شہادت کیا کم تھی کہ آخر میں چھ مہینے کی جان علی اصغرؑ نے جو ہر مذہب کی زبان میں معصوم تھا باپ کے ہاتھوں پر دم توڑ کر حق کی لازوال طاقت کی ابدی تصدیق کی اور جب یہ بھی شہادت حسینؑ پیش کرچکے تو شریعت اسلام کے قانون کے مطابق راہ خدا میں جہاد کے فریضہ کو شاندار طریقہ پر ادا کرکے عصر کے وقت سجدۂ خالق میں خنجر قاتل کے ہاتھوں حسینؑ نے اپنی جان بھی راہ خدا میں نثار کردی اور اس طرح یہ بے نظیر شہادت اس بے مثال معیار پر پیش ہوئی کہ جب تک حسینؑ کی قربانی کی یاد قائم ہے اور وہ ہمیشہ قائم رہے گی اس وقت تک حق نمایاں ہے اور وہ ہمیشہ نمایاں رہے گا۔

بقول خواجہ غریب نواز:

سرداد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

مقام شبیری

(وہ تقریر جو محرم ۲۷؁ـ۱۳ھ میں پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی کی کوٹھی، دین دیال روڈ، لکھنؤ میں ہوئی)

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی وشامی

یہ اسلام کے مشہور مفکر شاعر ڈاکٹر اقبالؔ کا مشہور شعر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حقیقت ہونا خود ابدی ہونے کا ذمہ دار ہے۔ حقیقت وقت کی پیداوار نہیں ہوتی۔ حقیقت انقلاب روزگار سے نہیں بدلتی۔ حقیقت طبائع کے رجحانات کے ساتھ مختلف نہیں ہوتی "لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآئَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" "اگر حق انسانی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو زمین وآسمان اور سب چیزیں تہ وبالا ہو جائیں۔"

حق ایک خط مستقیم ہوتا ہے اور خط مستقیم دو نقطوں کے درمیان ایک ہی ہوسکتا ہے۔ باطل ادھر اُدھر کے خطوط ہوتے ہیں جو بکثرت ہوسکتے ہیں۔

حق خداوند عالم کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ آپ کہتے ہیں "حق سبحانہ وتعالیٰ" وہ حق اسی لئے ہے کہ ثابت ہے غیر متزلزل۔

مقام شبیری بھی حقیقت ابدی اسی لئے ہے۔ بدل سکتا ہے وہ شخص کہ جو جذبات کا پابند ہو وقتی سیاست اپنا چولا بہت جلدی جلدی بدل سکتی ہے مگر وہ ذات جو مقام طاعت میں عین حق بن گئی ہو ایسے انسان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

حق ناقابل تقسیم ہے اور پھر غیر اضافی شے ہے۔ اس لئے اس میں ذرّہ بھر تبدیلی کا امکان نہیں ہوتا۔ اگرچہ شاعر نے ضرورت شعر سے فقط "ابدی" کہا ہے مگر درحقیقت وہ ازلی بھی ہے۔ مقام شبیری ازلی اور ابدی دونوں ہے۔ اس لئے کہ وہ مجسم دین ہے اور دین الٰہی ازل سے ایک ہے اور ابد تک ایک ہی رہے گا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ یہ دین نام ہے صرف معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکانے کا، آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دیگر تمام انبیاءؑ سب اسی کے معلم تھے۔ یہ اور بات ہے کہ عامۂ بشر کے ظرف صلاحیت کے اعتبار سے اس کے پیمانہ میں وسعت ہوتی گئی۔

جیسے ایک طالب علم اسکول میں داخل ہو۔ عربی، انگریزی جس تعلیم میں جائے ابتدائی درجہ سے انتہا تک اس کا نصب العین اصل ایک ہے۔ اور منتہائی نقطہ لیکن ایک دم اس کی تعلیم دی جائے تو بچہ کا ذہن کہاں قبول کرسکتا ہے۔ اس لئے ہر درجہ کا کورس الگ الگ ہے مگر وہ مختلف اور متضاد نہیں ہے۔ اسی طرح سابق انبیاء کے تعلیمات اور ان کا منتہائی نقطہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی تعلیم ہے جو ظاہر بظاہر اسلام کے نام سے موسوم ہوئی۔ "مقام شبیری" بھی بس یہی تھا۔ معبود حقیقی سے ہٹ کر کسی دوسرے کے سامنے سر جھکانے سے انکار۔

طاغوت باطل ابتدائے آفرینش انسان سے ہر زمانہ میں حق کو دبانے کی کوشش کرتا رہا۔ اگر مادّی طاقت کے مقابلہ میں حق دبا کیا ہوتا تو آج دنیا میں حق کا وجود نہ ہوتا۔ اگر انبیاء مخالفتوں کی شدت سے مرعوب ہوکر چپ ہو جایا کرتے تو آج دنیا میں اچھے تعلیمات ہمارے سامنے ہوتے ہی نہیں۔

پیام حق پہنچانے کا راستہ ہمیشہ خارزار رہا۔ "چوں حرف حق بلند شود دار می شود" مگر اہل حق کبھی سپر انداختہ نہیں ہوئے۔ نہ نمرود کے سامنے ابراہیمؑ نے سر جھکایا۔ نہ فرعون کے سامنے موسیٰؑ نے اور نہ ابوجہل کے سامنے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے۔ پھر حسینؑ یزید کے سامنے سر کیوں جھکاتے؟

ایک دشوار گزار راستہ ایسا ہو جس پر ابھی تک کسی نے جانے کی ہمت نہیں کی تو اس پر چلنے کا ارادہ کرنا بھی مشکل ہوتا ہے لیکن اگر کچھ رہروؤں کے نقش قدم موجود ہوں تو ہمت بلند ہوتی ہے۔

اتنی مثالیں آنکھوں کے سامنے آنے کے بعد بھی تو آج راہِ حق پر قیام میں ہمارے قدم تھرّا جاتے ہیں۔ کتنے ہی ہیں جو ذرا سختی اُٹھا کر صحیح جادے سے ہٹ جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے سامنے ہماری پوری تاریخ ہے جسے اسلاف نے پسینے اور آنسو اور خون سے مرتب کیا ہے پھر بھی تو ہمارے پاؤں

اُکھڑ جاتے ہیں۔ اگر یہ مثالیں ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو کون ہوتا جو حق پر برقرار رہے؟

یاد رکھئے کہ دنیا میں جو کبھی انصاف، عدل، مساوات، حقوق انسانی یا ایثار وغیرہ کی صدائیں سننے میں آجاتی ہیں۔ یہ فیض ہے فقط انہیں داعیان حق کا۔ ورنہ مادیت کا تو فلسفہ یہ ہے کہ اس دنیا کا نظام ''تنازع للبقاء'' پر مبنی ہے۔ بڑا پودا چھوٹے کو کھا جاتا ہے۔ بڑا جانور چھوٹے کو کھائے جاتا ہے تو طاقتور انسان کمزور کو فنا کے گھاٹ کیوں نہ اُتار دے۔ یہ طاقت کی بنا پر اس کا حق ہے۔ اس فلسفہ کی بنا پر تو ظلم ظلم نہیں رہتا اور عدل کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا۔ اب اگر اس کے باوجود انصاف وعدل کی آوازیں ذہنوں سے بلند ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں تو تسلیم کرنا چاہئے کہ یہ صرف انہی رہنمایان دین کے تعلیمات کا اثر ہے جو غیر شعوری طور پر دماغ انسانی میں مرتسم ہوگیا ہے۔ دنیا لاکھ پلٹے کھائے۔ آسمان اور زمین کے درمیان بے شمار تبدیلیاں ہوتی رہیں مگر حق نہ بدلے گا، حق نہ بدلے گا تو مقام شبیری نہ بدلے گا۔

حق کے جتنے مظہر تھے وہ کبھی وقت کے ساتھ نہیں بدلے۔ علی بن ابی طالبؑ کا زہد اور ترک دنیا ۲۵ ربرس کی خانہ نشینی کے دور میں ایسا تصور ہوسکتا تھا کہ یہ بے بسی کا نتیجہ ہے مگر جب آپ کو جمہوری طور پر بھی خلیفۂ اسلام مان لیا گیا اور تخت حکومت ظاہری طور پر بھی آپ کے زیر قدم آگیا اس وقت بھی دنیا نے دیکھا وہی پیوند دار قبا ہے، وہی جو کا بھوسی ملا ہوا آٹا آپ کی غذا ہے، جو تبدیلی ہوگئی تھی وہ عامۃ الناس میں تھی کہ وہ پہلے آپ کو خلیفہ نہ مانتے تھے اور اب ماننے لگے تھے مگر آپ میں ذرہ بھر بھی تبدیلی نہ تھی۔

مامون الرشید نے امام رضاؑ کو سلطنت بنی عباس کا ولی عہد کیوں بنایا تھا؟ صرف ایک خیال خام کی بنا پر۔ چونکہ ان شخصیتوں کا زہد اور ترک دنیا وغیرہ کے صفات کی وجہ سے قلوب خلائق پر اثر تھا تو مامون نے اپنی پست ذہنیت کے پیش نظر دنیا کو یہ تجربہ کرانا چاہا تھا کہ دیکھو یہ بھی جب دنیا میں پڑ جائیں تو تمام زہد اور سادگی ختم ہوجائے مگر اس تجربہ کا نتیجہ اُلٹا ہوا یعنی دنیا نے آنکھوں سے یہ دیکھا کہ یہ سلطنت کے سب سے بڑے صاحب اقتدار رکن ہونے کے باوجود اپنے مکان پر چٹائی ہی پر بیٹھتے ہیں۔ ان کا غذاؤ لباس وہی ہے جو پہلے تھا۔ اس کی وجہ سے ان کی روحانیت کا قلوب پر اور زیادہ اثر بڑھنے لگا۔ اس کا تدارک تھا جو پھر بعد میں حضرت کو زہر دے کر کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ابدی کے وہ عملی مرقعے ہیں جن میں وقت کے ساتھ تبدیلی نہیں ہوتی۔

رسولؐ اللہ کی خاص صفت کردار جو دنیا میں نمایاں تھی کیا تھی؟ سچائی اور امانتداری۔ آپ کا لقب ہی صادق اور امین ہوگیا تھا۔ ۴۰ برس تک ان اوصاف کی بنا پر وہ ہردلعزیزی رہی کہ پوری قوم آپ کے لئے آنکھیں بچھاتی تھی مگر جب پیام حق کی آواز بلند کی کہ خدا کو ایک مانو، بت پرستی ترک کرو تو وہ پوری قوم دشمن ہوگئی مگر امانتیں مشرکین کی آپ کے پاس شب ہجرت تک تھیں یہاں تک کہ جب سب متفق ہوگئے کہ رات کو آپ کی زندگی کا خاتمہ کردیں تب بھی یہ خیال نہیں ہوا کہ پہلے اپنی امانتیں واپس لے لو۔ خون بہانے پر تیار تھے مگر اپنی امانتوں کے تحفظ کا یقین تھا اور آپ نے بھی ان کی امانتوں کے تحفظ کے لئے یہاں تک کیا کہ اپنی گود کے پالے اور اپنی جان سے زیادہ عزیز بھائی کو خطرہ میں ڈال دیا مگر کہہ دیا کہ یا علی جب تک امانتیں مشرکین کی ان تک واپس نہ کرلینا مکہ نہ چھوڑنا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ دوست ہو یا دشمن بہرحال امانتیں ہیں اور ان کی حفاظت ضروری ہے۔

یہی بلندی اوصاف کی منزل وہ ہوتی ہے جہاں دوست اور دشمن سب کو یکساں طور پر سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے حسینؑ ایسے ہی صفات کے حامل تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ نے امیر شام معاویہ کو احتجاجی خط لکھا ہے اور اس خط کو پڑھ کر انھیں ناگواری محسوس ہوئی تو حاضرین دربار میں سے کسی نے خوشامد میں کہہ دیا کہ آپ بھی حسینؑ کو ایسا خط لکھ دیجئے جو ان کی نظر میں خود ان کو سبک کردے تو امیر شام نے کہا کہ یہ تو تم نے کچھ صحیح مشورہ نہیں دیا اس لئے کہ جو کچھ میں انھیں لکھوں گا وہ اگر غلط ہے تو اس کے لکھنے پر سبک میں خود ہونگا اور اگر صحیح لکھنا چاہوں تو برائیاں پاؤں کہاں سے جو ان کے متعلق انھیں درج کروں۔

یہ حقیقت کا مقام وہ ہے جو متبدل نہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اضافی نہیں ہے۔ اضافی کا مطلب یہ ہے کہ جیسے کسی عزیز کی نسبت انسان بڑا احسان کرنے والا ہے مگر غیر کی نسبت وہ احسان نہیں ہے تو وہ اچھائی اس کے لحاظ سے ہے مگر اس کے لحاظ سے نہیں اس کے برخلاف وہ اچھائی جو غیر اضافی ہو یہ ہے کہ ہر ایک کی بہ نسبت اور ہر ایک کے سامنے وہ قائم رہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ جب یزید نے مطالبۂ بیعت کے لئے ولید بن عقبہ کے پاس خط لکھا تو اگر چہ ولید خود بھی بنی امیہ میں سے بلکہ آل ابوسفیان میں سے تھا یعنی یزید کا چچازاد بھائی تھا اور اس کی طرف سے مدینہ کا حاکم بھی تھا مگر اس نے بھی حسینؑ سے بیعت کے مطالبہ کو حق بجانب نہیں سمجھا اور جب مروان نے مشورہ دیا کہ بیعت نہ کریں تو ابھی سر قلم کردو تو وہ اس مشورہ پر عمل سے قاصر رہا اور جب مروان نے زجر و توبیخ کی کہ تم نے میرا کہنا نہ مانا اب حسینؑ پر دسترس پانا مشکل ہے تو ولید نے یہ فقرے کسے جو طبری میں درج ہیں کہ میں عمل کیونکر کرتا۔ تم نے تو مجھے ایسی رائے دی جس پر میرے دین کی ہلاکت ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ''بخدا جو شخص قتل حسینؑ کے جرم میں گرفتار ہوگا اس کے اعمال خیر کا پلہ روز قیامت انتہائی سبک ہوگا۔''

اسی طرح نعمان بن بشیر حاکم کوفہ، امام حسینؑ کے فرستادہ مسلم بن عقیل کے مقابلہ میں یزید کے منشا کی تکمیل سے قاصر رہا۔

یہ نتیجہ تھا اسی حقانیت کا جو حسینؑ میں ان کی مخالف جماعت کے بھی ذی شعور افراد کو محسوس ہوتی تھی۔ خود عمر سعد نے جو کربلا میں امام حسینؑ کے بالمقابل فوج کا افسر بنا کر بھیجا گیا تھا صاف صاف اقرار کیا کہ امام حسینؑ کا طرز عمل امن پروری اور صلح کوشی پر مبنی ہے۔ نیز یہ کہ یزید سے بیعت کی توقع آپ سے بے جا ہے۔

یہ ''مقام شبیری'' وہی ثبات قدم ہے جس کی نظیریں ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ سب ہی کے یہاں نظر آئیں یہ اور بات ہے کہ ان کے مقابلہ میں مشکلات و مصائب اتنے نہیں آئے جتنے حسینؑ کے سامنے آگئے۔ اس لئے حسینؑ کا موقف بلند تر نظر آتا ہے۔

حق پر ثبات کا نام اگر ''ضد'' ہے تو جتنے انبیاء تھے سب انتہائی ضدی تھے۔ ان انبیاء کا کیا ذکر خود خلاق عالم سے بڑھ کر ضدی کون ہوسکتا ہے کہ جو نبی آتا ہے قتل ہوجاتا ہے۔ جو رسول بھیجا جاتا ہے اس کی تکذیب ہوتی ہے اور طرح طرح سے ایذا رسانی کی جاتی ہے مگر وہ تھا کہ انبیاء بھیجے ہی چلا جاتا تھا اور ہادیان دین کا سلسلہ اس نے برابر قائم رکھا اور اعلان کردیا کہ تم اللہ کے طریقہ میں تبدیلی اور انقلاب کبھی نہ پاؤ گے۔

باطل اس کے بالمقابل حق کو دبانے کی طرح طرح سے کوشش کیا کرتا ہے۔ اس کا بھی نصب العین ایک ہے یعنی حق کو دبانے کی کوشش کرنا جس کے کمال کا رمز شاعر نے ''کوفی وشامی'' کے الفاظ میں ادا کیا ہے۔ یہ ''کوفی وشامی'' نام ہے اہل باطل کا۔ ان کے انداز حق کو شکست دینے کی کوشش میں

بدلتے رہتے ہیں۔ آتش نمرود، مظالم فرعون، یحییٰ کا سر قلم کیا جانا، زکریا کو آرے سے چیر ڈالنا، جرجیس کو کھولتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں ڈال کر اُبالنا۔ پھر حضرت خاتم الانبیاء کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانا۔ دیگر رہنمایان دین کے منھ کے سامنے زہر کے پیالے اور کبھی گردنوں پر کھنچی ہوئی تلواریں۔ یہ سب وہ کوفی وشامی انداز تھے جو موقف شبیری کے سامنے آتے ہیں جیسا کہ اقبال نے دوسری جگہ کہا ہے:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

حقیقت ناقابل تبدیل ہوتی ہے مگر باطل اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ حق کا اقرار ضمیر کے دباؤ سے اہل باطل کو اکثر اوقات کرنا ہی ہوتا ہے۔

رسولؐ کی امانتداری کا عملی اظہار مشرکین نے دشمنی کے باوجود اپنی امانتیں شب ہجرت تک رسولؐ کے پاس رکھوا کے کیا۔ یہ باطل کی طرف سے حق کی قوت کا اقرار تھا۔

حسینؑ کے حق پر ہونے کا بھی باطل والوں کو یقین تھا۔ ولید کوفی وشامی حکومت کا نمائندہ تھا مگر آپ نے دیکھا اس نے اقرار کیا کہ جو حسینؑ کو قتل کرے گا وہ روز قیامت ناکام ونامراد ہوگا۔

ابن سعد بھی اسی طاقت کا سرغنہ تھا مگر اسے حق سے متاثر ہوکر بار بار اپنا مرکز چھوڑنا پڑتا تھا۔ فوج شام کا حسینی جماعت کی مختصر تعداد کے سامنے فرار کیا تھا؟ اپنے مرکز سے بار بار تزلزل ہی تھا اور پھر حکومت اموی کے مقابلہ میں جمہور کی برہمی کیا تھی؟ حالانکہ دیکھئے تو جمہور سب ہی کوفی وشامی بن چکے تھے مگر ان پر یہ اثر بھی کمزور تھا۔ اس لئے ان میں سے بہت سے افراد میں مستقل تبدیلی پیدا ہوگئی۔

حسینؑ کی جنگ ہی یہی تھی۔ وہ باطل کی ذہنیت کو شکست دینے کے لئے آئے تھے چنانچہ اپنے ساتھ ایسے ہی سامان لائے تھے جو ضمیر انسانی کے شعور کو بیدار کرسکیں۔

حسینؑ کی آنکھوں کے سامنے ان کی فتح کے آثار نمودار تھے۔ حر کا فوج مخالف سے ادھر آجانا ان کی فتح کا ناقابل انکار ثبوت تھا۔

اور پھر جو کوفی وشامی محاذ کو دنیا طلبی کی زنجیروں کی وجہ سے بالکل نہ چھوڑ سکے ان کے بھی حالات سے ان کا تزلزل نمایاں تھا۔

قتل حسینؑ کے وقت متعدد اشقیاء کا تلواریں پھینک پھینک کر بھاگنا کیا تھا؟ شہادت حسینؑ کے بعد لوٹ کے وقت کسی شقی کا شاہزادی کے پاؤں سے خلخال اُتارنا مگر اس کے ساتھ روتے جانا کیا تھا؟

سب سے بڑا ذمہ دار یزید بدلا کہ نہیں؟ جنگ براہ راست کا ہے کی تھی؟ طلب بیعت ہی تو تھی اور حسینؑ سے طلب بیعت بحیثیت شخص واحد تو نہ تھی بلکہ خاندان رسولؐ کے نمائندہ کی حیثیت سے تھی۔ مگر یہی حیثیت حسینؑ کے بعد زین العابدینؑ کو حاصل ہوگئی تھی اور وہ یزید کی طاقت باطل کے حصار میں اس کے دربار کے اندر موجود تھے۔ مگر یزید کو اب اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ سید سجادؑ سے بیعت کا مطالبہ کرتا بلکہ حسینؑ کے کسی ایک بچہ سے یہ نہ کہہ سکا کہ بیعت کرلو۔

حسینؑ اور ان کے بعد ان کی اولاد اپنے موقف سے ذرہ بھر کبھی نہیں ہٹی اور یزید خود ہی اپنے مطالبہ پر اصرار سے مجبور ہوکر باز آگیا۔ سچ کہا ہے اقبالؔ نے:

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی وشامی

❀❀❀